مطالعہ پاکستان

بارھویں جماعت کے لیے

FREE FROM GOVERNMENT
NOT FOR SALE

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور۔

حرام مال سے اللہ تعالیٰ
صدقہ قبول نہیں کرتا۔

(احمد)

مطالعۂ پاکستان

بارھویں جماعت کیلئے

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

جملہ حقوق بحق خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور محفوظ ہیں۔

ریویو کردہ وفاقی وزارت تعلیم اسلام آباد بطور واحد نصابی کتاب برائے جملہ کالجز خیبر پختونخوا

مصنفین: ڈاکٹر سید منہاج الحسن، ڈاکٹر فضل رحیم مروت،
جاوید اقبال، سید کرامت علی شاہ بخاری۔

نظر ثانی: پروفیسر محمد اقبال ماہر مضمون (سوشل سائنسز)
فوزیہ سید معاون ماہر مضمون (سوشل سائنسز)
محمد الیاس معاون ماہر مضمون (جغرافیہ) خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

ایڈیٹر: محمد حسین ماہر مضمون
خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

طباعت زیر نگرانی و رہنمائی: رشید خان پائندہ خیل (چیئرمین)
سعید الرحمٰن، ممبر (ای اینڈ پی)
خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

تعلیمی سال: 2021-22ء
ویب سائٹ: www.kptbb.gov.pk
ای میل: membertbb@yahoo.com
فون نمبر: 091-9217159-60

فہرست اسباق

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.1	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام	1
.2	اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل	28
.3	ارضِ پاکستان	46
.4	پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات	66
.5	پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت	85
.6	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت (کلچر)	116
.7	پاکستانی زبانیں	136
.8	قومی یک جہتی اور خوشحالی	147
.9	اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی	157
.10	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی	185
.11	پاکستان کے مسائل	201

باب اول

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام

پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے جس کی بُنیاد دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان پر رکھی گئی ہے۔ پاکستان بنانے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اور اس کے قیام کے مقاصد کیا تھے؟ ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لیے نظریہ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کا پس منظر جاننا انتہائی ضروری ہے۔

نظریہ کیا ہے؟

نظریہ پاکستان کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں نظریے کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔ ہر انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اُس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی عقل، سوچ اور فکر کے مطابق اپنا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ اس طرح ہر قوم کا بھی ایک اجتماعی مقصد ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے وہ قوم اپنے ماضی کی روایات اور اقدار کو مدِ نظر رکھ کر، اپنی اجتماعی سوچ اور فکر کو بروئے کار لا کر اپنے مشاہیر کی رہنمائی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہے۔ اِس اجتماعی سوچ اور فکر کو اُس قوم کا نظریہ کہتے ہیں۔ مختصراً کسی قوم کا نظریہ اُس قوم کی شناخت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے اور اُسے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اِس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ قوم کے ماضی، حال اور مستقبل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ماضی میں قوموں کی ابتداء اور شناخت ہوتی ہے۔ حال میں قوم اپنے مستقبل کے مقاصد کا تعین کرتی ہے اور اُن کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے، جبکہ مستقبل میں اُن قومی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

نظریے کی اہمیت

ایک مشترکہ نظریہ کسی بھی قوم کے افراد میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ ایک نظریاتی قوم کے سامنے ایک واضح نصب العین ہوتا ہے اور اہم فیصلے کرتے وقت اُس قوم کے افراد

کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہوتے۔ جب ایک نظریاتی قوم ایک ریاست قائم کرتی ہے تو اُس کا نظریہ اُس کی ریاست کے آئین اور قانون کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور آئین سازی اور قانون سازی میں اُس قوم کی رہنمائی کرتا ہے۔

کسی نظریے کے وجود میں آنے اور پھلنے پھولنے میں قوموں کی تاریخ، مذہبی عقائد، معاشرتی اقدار اور تہذیب و ثقافت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مگر وجود میں آنے کے بعد نظریہ ہی اُس قوم کے عقائد، اقدار، تہذیب اور ثقافت کا بہترین محافظ ثابت ہوتا ہے۔ جس قوم کا نظریہ جتنا مضبوط اور نقائص سے پاک ہوتا ہے وہ قوم تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے اُتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ نظریاتی قومیں کسی بھی مشکل صورتحال کا بھرپور مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے پاس ہر مشکل کو حل کرنے کے لیے بنیادی رہنما اُصول نظریے کی شکل میں موجود ہوتے ہیں جن پر عمل کر کے وہ تمام مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔

نظریہ پاکستان کا ارتقا

نظریہ پاکستان کی اصطلاح اُس بنیادی سوچ اور عقیدے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ اِس نظریے کا مقصد برِ صغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ اور آزاد وطن کا حصول تھا جہاں وہ اپنی ثقافت اور مذہبی اقدار کے مطابق آزادی سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

نظریہ پاکستان کی بنیاد "دو قومی نظریے" پر رکھی گئی جس کے خالق سر سید احمد خان تھے۔ وہ شروع شروع میں ہندو مسلم اتحاد کے پر جوش حامی تھے۔ ہندوستانی قومیت کے فلسفے پر یقین رکھتے تھے مگر بعد میں وہ اِس بات کے قائل ہوگئے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جن کی تاریخ، ثقافت، معاشرتی اقدار اور مذہبی عقائد ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہی دو قومی نظریہ بعد میں نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر گیا اور قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا۔

دو قومی نظریے کی ابتداء برِ صغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد سے ہوتی ہے۔ قائداعظم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 8 مارچ 1944ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> "پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔
> یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔

مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے، وطن اور نسل پر نہیں۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جُداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔"

قائداعظم کا یہ ارشاد نظریہ پاکستان کی مکمل ترین وضاحت ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں سے پہلے جتنی بھی اقوام ہندوستان میں آئیں وہ یہاں کی قومیت میں ضم ہو گئیں اور ہندوستانی ثقافت کا حصہ بن گئیں لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ ہندوستان میں اپنی الگ قومی شناخت کو برقرار رکھا۔ اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں نے ہندوستان کے ایک وسیع علاقے پر ایک لمبے عرصے تک حکمرانی کی۔ یہاں کی سیاست میں ان کا ایک اہم اور بنیادی کردار رہا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا زوال شروع ہوا اور بالآخر انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھین کر ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات اور مصیبتوں کا دور شروع ہوا۔ چونکہ انگریز مسلمانوں سے خائف تھے اور اُنھیں خدشہ تھا کہ مسلمان کسی بھی وقت اپنا اقتدار دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں اس لیے اُنھوں نے مسلمانوں کو پس ماندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ دوسری طرف ہندوؤں نے اِس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا اُنھوں نے نہ صرف انگریزوں کا اعتماد حاصل کیا بلکہ انگریزی زبان سیکھ کر اور جدید مغربی علوم کی تعلیم حاصل کر کے مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئے۔ آبادی کے لحاظ سے وہ پہلے ہی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہندوؤں کے ساتھ رواداری اور انصاف کا برتاؤ کیا۔ مسلمان حکمرانوں نے کبھی بھی ہندوؤں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس وجہ سے مسلمان یہاں سینکڑوں سال حکومت کرنے کے باوجود اقلیت میں رہے لیکن انگریزوں کے دور میں ہندوؤں نے اپنی عددی برتری کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اُنھوں نے انگریز حکومت سے ہندوستان میں مغربی جمہوری نظام کے تحت انتخابی اُصول رائج کرنے کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اُس وقت کے کئی یورپی ممالک کی آبادی سے زیادہ تھی مگر خالص مغربی جمہوری نظام رائج ہونے کی صورت میں وہ ہمیشہ کے لیے ایک غیر مؤثر اقلیت بن جاتے اور ہندو اکثریت میں ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اُن پر حکومت کرتے۔

مسلمان جمہوری اُصولوں اور جمہوری طرزِ انتخابات کے مخالف نہیں تھے مگر کچھ متعصب ہندو

لیڈروں کی تنگ نظری اور مسلمانوں کے بارے میں اُن کے منفی ارادوں نے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان مستقبل کے سیاسی نظام میں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے تھے۔ ابتداء میں انھوں نے متحدہ ہندوستان کے اندر اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کیا مگر جب انتہا پسند ہندوؤں نے مسلمانوں کے تمام جائز مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہ مکمل طور پر ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ یہی وہ دور ہے جب مسلمانوں میں اپنی الگ قومیت کے ہونے کا احساس ابھرنے لگا۔ اسی الگ قومیت کے تصور کو سر سید احمد خان نے دو قومی نظریے کی شکل میں پیش کیا جس نے نظریہ پاکستان کو جنم دیا اور مسلمانوں نے بالآخر اپنے لیے ایک الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ شروع کیا۔

اگرچہ مختلف مواقع پر کئی مسلمان راہنماؤں نے ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ ریاستوں میں تقسیم کرنے اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا مگر 1930ء میں علامہ محمد اقبالؒ نے الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے دو قومی نظریے کی وضاحت کی اور دلائل سے ثابت کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ لہٰذا مسلمان اکثریتی علاقوں کو ملا کر ایک مسلمان ریاست قائم کی جائے۔ اسی زمانے میں کیمبرج یونیورسٹی کے چند مسلمان طلبہ[1] نے ایک پمفلٹ جاری کیا جس کا عنوان تھا "ابھی یا کبھی نہیں (Now or Never)"۔ اس پمفلٹ میں نہ صرف ایک مسلمان ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس ریاست کے نام کے طور پر پہلی دفعہ لفظ "پاکستان" استعمال کیا گیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مقام پر دو قومی نظریے نے نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر لی کیونکہ دو قومی نظریہ میں صرف اس حقیقت کو بیان کیا گیا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں لیکن اس میں ایک الگ مسلمان ریاست کے قیام کا ذکر نہیں تھا جبکہ نظریہ پاکستان میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم اور مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔

قیامِ پاکستان سے پہلے نظریہ پاکستان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ:-

اسلامی ثقافت کا تحفظ اور مسلمان اکثریتی علاقوں میں ایک علیحدہ مسلمان ریاست کا قیام جہاں مسلمانوں کو وہ تمام مواقع حاصل ہوں جن کی مدد سے وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں۔

جب کہ قیامِ پاکستان کے بعد نظریہ پاکستان کا اہم ترین مقصد ایک ایسے نظامِ حکومت کا رائج کرنا تھا

1. چوہدری رحمت علی، محمد اسلم خان خٹک، نظام محمد(?) شیخ محمد صادق اور عنایت اللہ خان آف چارسدہ

جس کے تحت تمام ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی

نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی میں چار بنیادی عناصر شامل ہیں:-

1۔ اسلام

نظریہ پاکستان کا پہلا اور سب سے اہم جزو اسلام ہے۔ اس نظریے کی بنیاد مذہب اسلام پر رکھی گئی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی الگ قومیت کی بنیاد مذہب تھا اور اسی بنیاد پر دو قومی نظریہ وجود میں آیا جو بعد میں نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر گیا۔

2۔ جمہوریت

جمہوریت کی اساس اکثریت کی رائے کا احترام ہے مگر اس کے ساتھ اقلیت کے حقوق کا تحفظ اور اظہار رائے کی آزادی بھی جمہوریت کا لازمی حصہ ہیں۔ جمہوریت کا ایک اور اہم جزو حقِ خود ارادیت (Right of Self Determination) بھی ہے جس کے تحت دُنیا کی تمام اقوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ اسی اصول کا استعمال کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

3۔ معاشرتی انصاف اور مساوات

نظریہ پاکستان کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جہاں معاشرتی انصاف اور مساوات کے اصولوں کے مطابق سب طبقوں کو برابری کی بنیاد پر یکساں حقوق حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ مقصد تا حال حاصل نہیں ہو سکا مگر اس کے حصول کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔

NOT FOR SALE

4۔ بنیادی انسانی حقوق

بنیادی انسانی حقوق میں انسانی زندگی کا تحفظ، عزت اور ملکیت کا تحفظ، مذہبی عقائد اور عبادات کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی اور باعزت روزگار کا حصول ہیں۔ چونکہ متحدہ ہندوستان میں، خاص طور پر مسلمان اقلیتی صوبوں میں، ان بنیادی انسانی حقوق کو نظر انداز کیا جا رہا تھا اور مسلمانوں کا استحصال ہو رہا تھا، اس لیے ان حقوق کا حصول اور ان کا تحفظ نظریہ پاکستان کا ایک بنیادی عنصر تھا۔

تحریک پاکستان کا مختصر تاریخی پس منظر

پاکستان کا قیام برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی اشاعت کا نتیجہ تھا۔ جنوبی ایشیاء کے ساتھ عربوں کے کافی پرانے تجارتی تعلقات تھے۔ ظہورِ اسلام کے بعد مسلمان بزرگانِ دین نے تبلیغ کی غرض سے جنوبی ایشیاء کا رُخ کیا۔ ان بزرگانِ دین کی آمد کا سلسلہ 712ء میں سندھ پر عربوں کے حملے کے بعد مزید بڑھا۔

712ء میں ایک بہادر مسلمان جرنیل محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اور یوں سندھ اور ملتان کے علاقوں پر عربوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ جس کے فوراً بعد یہاں ہر شہر اور قصبے میں مساجد بنائی گئیں اور اسلامی علوم کی تدریس کے لیے بہت سے مدارس بھی کھولے گئے۔ مسلمان بزرگانِ دین نے سندھ میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور اُن کی کوششوں سے بڑی تعداد میں مقامی لوگ مسلمان ہوئے۔

شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت محمود غزنوی کے زمانے سے شروع ہوئی۔ 1005ء میں شیخ اسماعیل بخاریؒ لاہور تشریف لائے اور آپ کی تبلیغ سے روزانہ سینکڑوں لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ حضرت علی ہجویریؒ (حضرت داتا گنج بخشؒ) بھی اسی دور میں لاہور تشریف لائے اور آپ کی کوششوں سے ہزاروں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلطنت دہلی کے قیام کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی علوم اور فنون کو فروغ حاصل ہوا۔ سلاطین دہلی کے دور میں متعدد علماء و مشائخ برصغیر تشریف لائے اور یہاں ایک مسلم معاشرے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے پنجاب سے گزر کر اجمیر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

حضرت فرید الدین شکر گنجؒ نے پاک پتن کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی تعلیمات اور اخلاق سے ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ جنوب مغربی پنجاب میں حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی کوششوں سے بہت سی غیر مسلم قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

اسی دور کے مسلمان صوفیائے کرام میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ اور آپ کے مریدوں کی تبلیغ سے شمالی ہند اور دکن کے ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ ان کے علاوہ پنجاب میں سلطان سخی سرورؒ، کشمیر میں حضرت بُلبل شاہؒ اور سید علی ہمدانیؒ، جب کہ بنگال اور آسام میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے اسلام کی اشاعت اور تبلیغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

برصغیر میں مسلمانوں کے اقتدار کا قیام اور عروج

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی بنیاد 1192ء میں شہاب الدین محمد غوری نے رکھی۔ 1206ء میں شہاب الدین محمد غوری کی وفات کے بعد قطب الدین ایبک نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اُسے خاندانِ غلاماں کہا جاتا ہے۔ خاندان غلاماں کے بعد کئی اور مسلمان حکمران خاندانوں نے ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر کئی سو سال تک حکومت کی۔ ان حکمرانوں کو تاریخ میں سلاطینِ دہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد مغل حکمرانوں کا دورِ اقتدار 1526ء میں شروع ہوا جو 1857ء میں ختم ہوا۔ مغل خاندان کے پہلے چھے حکمران نہایت لائق اور قابل تھے مگر ان کے بعد کمزور اور نا اہل مغل حکمرانوں کا دور شروع ہوتا ہے جو 1707ء سے شروع ہو کر 1857ء میں آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور گرفتاری تک جاری رہا۔

انگریزوں کی ہندوستان آمد اور انگریز حکومت کا قیام

برصغیر پاک و ہند میں یورپی اقوام کی آمد کا سلسلہ مغلوں کے دورِ حکومت سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ابتداء میں ان کی سرگرمیاں صرف تجارت تک محدود تھیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مغلوں کا اقتدار کمزور ہونے لگا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کے حکمرانوں کی کمزوریوں اور اندرونی انتشار کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ ہندوستان کی اندرونی

سیاست میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا شروع کیا۔ اپنے تجارتی مراکز کی حفاظت کی آڑ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہ صرف اپنی فوج منظم کی بلکہ قلعوں کی تعمیر بھی شروع کر دی تھی جو کمپنی کے سیاسی عزائم کا واضح ثبوت تھا۔ 1857ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے بیشتر حصوں پر قابض ہو چکی تھی اور آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کا اقتدار صرف دہلی شہر اور اس کے گرد و نواح تک محدود ہو چکا تھا۔

جنگِ آزادی 1857ء

انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد یہاں ایسی پالیسیاں اختیار کیں جن سے یہاں کے لوگوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ خصوصاً اُن کی اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کے لوگ معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے لوگوں کے مذہبی عقائد اور ثقافتی روایات میں بھی مداخلت شروع کر دی تھی۔ عیسائی مبلغ ہندوستان میں کھلے عام عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کے لوگ انگریزوں سے سخت نفرت کرنے لگے۔

1857ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی جسے انگریز مؤرخ غدر اور برصغیر کے تاریخ دان آزادی کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ آزادی کے متوالے بڑی بہادری سے لڑے مگر اندرونی سازشوں، باہمی نا اتفاقی اور جنگ کے چند علاقوں تک محدود رہنے کی وجہ سے جنگ ناکامی سے دوچار ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ ہندوستان پر اپنا اقتدار مضبوط کر لیا۔

جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے حالات

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد اس کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں کے کندھوں پر ڈال دی گئی اور انگریزوں نے مسلمانوں کو سخت ترین سزائیں دے کر ان کو بدترین انتقام کا نشانہ بنایا۔ اس جنگ میں اگرچہ ہندو اور مسلمان برابر کے حصہ دار تھے مگر انگریز سمجھتے تھے کہ بغاوت کے اصل ذمہ دار مسلمان تھے کیونکہ انھوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اور اُن کو شک تھا کہ جنگِ آزادی کے ذریعے مسلمان اپنا اقتدار بحال کرانا چاہتے تھے۔ جنگِ آزادی کے بعد کے دور میں مسلمانوں کو انگریزوں کی بدترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کو جان بوجھ کر پس ماندہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

انتہا پسند ہندوؤں نے بھی اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے ہندوستان پر کئی سو سال تک حکومت کرنے کا بدلہ لینے کی کوشش کی، مگر کسی حد تک مسلمان خود بھی اپنی اس بری حالت کے ذمہ دار تھے۔ مسلمانوں نے انگریزوں سے نفرت کی بنا پر انگریزی زبان اور جدید مغربی طرزِ تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کے بغیر نہ تو سرکاری ملازمت حاصل کی جا سکتی تھی اور نہ ہی زندگی کے دوسرے شعبوں میں ترقی ممکن تھی۔ دوسری طرف ہندوؤں نے جلد ہی ہندوستان کی نئی سیاسی حقیقتوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ انھوں نے نہ صرف انگریزی زبان سیکھی اور جدید مغربی علوم کی تعلیم حاصل کی بلکہ انگریزوں کے ساتھ تعاون کر کے ان کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں بھی کامیاب ہو گئے، جبکہ جنگِ آزادی کے فوراً بعد مسلمانوں کی آبادی تقریباً پانچ کروڑ تھی مگر باوجود اتنی بڑی آبادی کے وہ ایک محکوم اقلیت بن چکے تھے۔

علی گڑھ تحریک

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جن شخصیات نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں سب سے اہم کردار ادا کیا اور اُن کے افکار اور نظریات پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ان میں سرسید احمد خان کا نام سرِ فہرست ہے۔ سرسید احمد خان جدید مغربی علوم کے حصول اور انگریز حکمرانوں سے اچھے تعلقات کو مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل سمجھتے تھے۔ ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے تعلیمی، سیاسی اور ادبی میدانوں میں مسلمان قوم کی بھلائی کے لیے عظیم خدمات انجام دیں۔ سرسید نے نہ صرف اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان غلط فہمیاں دور کر کے انھیں قریب لانے کی کوشش کی بلکہ ہندو انتہا پسندوں کی مسلم دشمن سرگرمیوں سے مایوس ہو کر ''دو قومی نظریہ'' بھی پیش کیا جو بعد میں ''نظریہ پاکستان'' کی بنیاد بنا۔

جنگِ آزادی کے بعد کے دور میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت انتہائی خراب ہو گئی تھی کیونکہ مسلمان آبادی کی اکثریت نے محض انگریز دشمنی کی بنا پر جدید مغربی علوم کے حصول سے انکار کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مغربی علوم سیکھ کر ان کے بچے اپنے مذہب سے دور ہو جائیں گے۔

سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ انگریزی زبان اور جدید مغربی علوم کے خلاف منفی رویہ ترک کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو سیاست میں وقتی طور پر حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اپنی تمام تر توجہ تعلیمی

ترقی پر مرکوز کرنی چاہیے تاکہ وہ نہ صرف ملازمتوں میں اپنا حصہ حاصل کر سکیں بلکہ ان پر انگریز حکمرانوں کا اعتماد بھی بحال ہو۔ علی گڑھ تحریک کے باقاعدہ آغاز سے پہلے ہی سرسید احمد خان نے تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ اپنی ملازمت کے دوران انھوں نے 1859ء میں مراد آباد میں اور اس کے بعد غازی پور کے مقام پر سکول قائم کیے۔ 1863ء میں انھوں نے غازی پور میں سائینٹفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یورپی زبانوں میں مختلف جدید علوم پر لکھی گئی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کرا کے ہندوستان کے لوگوں کو یہ موقع فراہم کرنا تھا کہ وہ ان کتابوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

1869ء میں سرسید احمد خان اپنے بیٹے سیّد محمود کے ساتھ انگلستان گئے۔ سرسید سمجھتے تھے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں انگریزوں کی ترقی میں اُن کے نظامِ تعلیم کا کردار سب سے اہم ہے۔ لہٰذا انگلستان میں قیام کے دوران سرسید احمد خان نے وہاں کے چند بہترین تعلیمی[1] اداروں کا دورہ کر کے اُن کے طرزِ تعلیم کا بغور مشاہدہ کیا۔

1870ء میں انگلستان سے واپسی پر سرسیّد نے ''انجمن ترقیٔ مسلمانانِ ہند'' کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی جس کا کام مسلمانوں میں جدید تعلیم سے بیزاری کی وجوہات معلوم کر کے اس بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ اس کمیٹی نے علی گڑھ کے مقام پر ایک کالج قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ سرسید کو مجوزہ کالج کی انتظامی کمیٹی کا تاحیات سیکرٹری نامزد کیا گیا۔ سرسید نے کالج کے قیام کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی غرض سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا جس کے دوران انھوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے حصول کی اہمیت سے بھی آگاہ کیا۔

1875ء میں کالج کے قیام کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا تھا جب علی گڑھ میں ایک سکول کا قیام عمل میں لایا گیا۔ صرف دو سال بعد اس سکول کو کالج کا درجہ دیا گیا اور وائسرائے لارڈ لٹن "Lord Lytton" نے 1877ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔ علی گڑھ کالج ایک اقامتی ادارہ تھا جہاں انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ مشرقی اور مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کالج میں مسلمان طلبہ کے علاوہ دیگر قومیتوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ بھی پڑھتے تھے مگر دینیات (علومِ اسلامیہ) کی تعلیم صرف مسلمانوں کے لیے لازمی تھی۔ علی گڑھ کالج میں طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت اور کردار سازی پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ سرسید نے کالج کو مغربی معیار کے مطابق ایک عمدہ درس گاہ بنانے کے لیے بھاری تنخواہیں دے کر ممتاز

1. آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی

انگریز ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کیں اور کالج کے اساتذہ میں یورپین اساتذہ کی بڑی تعداد شامل تھی۔

علی گڑھ تحریک کے دو بڑے ستون تھے۔ ان میں ایک تو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور دوسرا ستون محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس تھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس 1886ء میں قائم کی گئی اور اس کے قیام کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ علی گڑھ کالج کے طرز پر نئے تعلیمی ادارے قائم کرنا۔
2۔ مسلمانوں میں جدید مغربی طرزِ تعلیم کی اہمیت کا احساس پیدا کرنا۔
3۔ مسلمانوں کے قائم کردہ انگریزی تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم کے حالات پر نظر رکھنا۔
4۔ مسلمانوں کے روایتی مدرسوں اور مکتب سکولوں کے نصاب کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

علی گڑھ کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے نہ صرف مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ میں کردار ادا کیا بلکہ یہ دونوں ادارے جلد ہی مسلمانوں کی تمام سماجی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کا محور بن گئے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ایک خالصتاً غیر سیاسی تنظیم تھی۔ علی گڑھ کالج سے کئی نامور مسلمان راہنماؤں نے تعلیم حاصل کی۔ جنھوں نے بعد میں تحریکِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر

1885ء میں ایک ریٹائرڈ انگریز افسر اے۔ او۔ ہیوم (A.O. Hume) نے انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ کانگریس ہندوستان کے تمام لوگوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی مگر اس پر شروع سے ہندو انتہا پسندوں کا غلبہ رہا اور اس کی پالیسیاں مسلمانوں کے مفادات کے سراسر منافی تھیں۔

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ ہندوستان میں قانون ساز کونسلوں کے ممبران کا انتخاب مغربی طرزِ جمہوریت کے اصولوں کے مطابق کیا جائے۔ مسلمان راہنماؤں کا خیال تھا کہ خالص مغربی جمہوری نظام ہندوستان میں قابلِ عمل نہیں ہے کیونکہ یہاں دو بڑی قومیں، ہندو اور مسلمان آباد ہیں۔ جن میں سے ایک اکثریت اور دوسری اقلیت میں ہے۔ اگر مغربی طرز کا جمہوری نظام بغیر کسی رد و بدل کے نافذ کر دیا گیا تو مسلمان اقلیت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندو اکثریت کی غلام بن کر رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ کانگریس کی دیگر پالیسیاں اور مطالبات بھی مسلمانوں کے مفاد کے منافی تھے۔ کانگریس نے 1905 میں بنگال کی تقسیم کی بھی مخالفت کی

جبکہ یہ تقسیم مسلمانوں کے مفاد میں تھی۔

شملہ وفد (اکتوبر 1906ء)

جب کانگریس کی سرگرمیوں اور مطالبات کی وجہ سے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تو مسلمان اکابرین کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اقدامات لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ 1906ء میں انگریز حکمرانوں نے ہندوستان میں نئی سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسلمان راہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ اُنھیں وائسرائے سے ملاقات کر کے ایسی تجاویز دینی چاہییں جن سے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ لہٰذا نواب محسن الملک کی کوششوں سے 35 اراکین پر مشتمل مسلمان راہنماؤں کے ایک وفد نے اکتوبر 1906ء میں شملہ کے مقام پر وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی۔ وفد کی قیادت سر آغا خان نے کی اور وائسرائے کو ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے۔

1۔ نئے ایکٹ میں قانون ساز کونسل کی رُکنیت کے لیے انتخابی اصول رائج کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو جداگانہ طرزِ انتخاب کا حق دیا جائے جس کے تحت مسلمان اپنے نمائندوں کا انتخاب خود کریں۔
2۔ قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب طے کرتے وقت صرف ان کی تعداد کو مدِ نظر نہ رکھا جائے بلکہ اُن کی سیاسی اہمیت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔
3۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں اور مقامی حکومتی اداروں میں اُن کا جائز حصہ دیا جائے۔

وائسرائے لارڈ منٹو نے اپنی جوابی تقریر میں ان تمام مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا یقین دلایا اور کہا کہ مستقبل کے کسی بھی سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کے مفادات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔

شملہ وفد کی وائسرائے سے ملاقات اور وائسرائے کی طرف سے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرانا مسلمان راہنماؤں کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ اس مسلمان وفد سے ملاقات کر کے وائسرائے اور انگریز حکومت نے ایک طرح سے مسلمانوں کے اس دعویٰ کو درست تسلیم کر لیا تھا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں۔ کانگریسی لیڈروں نے شملہ وفد کی وائسرائے سے ملاقات کو انگریزوں کی سازش قرار دیا

اور مسلمانوں کے جداگانہ طرزِ انتخاب کے مطالبے کی شدید مخالفت کی مگر لارڈ منٹو نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جب برطانوی پارلیمنٹ نے حکومت ہند کا قانون 1909ء پاس کیا تو اس میں مسلمانوں کو جداگانہ طرزِ انتخاب کا حق دیا گیا۔

مسلم لیگ کا قیام :1906

شملہ وفد کی کامیابی کے بعد مسلمان راہنماؤں کو اپنی ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اہم مواقع پر یہ جماعت مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو انگریز حکومت کے سامنے پیش کر سکے۔ ان کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ سر سلیم اللہ خان نے تجویز پیش کی کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے باقاعدہ اجلاس کے بعد مسلمان راہنماؤں کا ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا جائے جس میں آل انڈیا مسلم کنفیڈریشن کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

دسمبر 1906ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ چونکہ یہ ایک غیر سیاسی ادارہ تھا۔ سر سید احمد خان نے اس کے اجلاسوں میں سیاسی معاملات زیرِ بحث لانے کو سختی سے منع کیا تھا لہٰذا مجوزہ مسلمان سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لانے کے لیے کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس کے فوراً بعد ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا گیا جس کی صدارت نواب وقار الملک نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک الگ سیاسی جماعت قائم کریں۔ صدارتی خطبے کے بعد اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی جس کے تحت آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلم سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل تھے:-

1۔ مسلمانوں میں انگریز حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا اور اُن میں حکومت کے اقدامات اور ارادوں کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنا۔
2۔ مسلمانوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کا تحفظ کرنا اور اُن کی خواہشات اور مطالبات کو مناسب انداز سے حکومت کے سامنے پیش کرنا۔
3۔ مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانوں میں دوسری قومیتوں کے خلاف منفی جذبات کو بڑھنے سے روکنا۔

NOT FOR SALE

مسلم لیگ کا آئین 1908ء میں وضع کیا گیا۔ سر سلطان محمد آغا خان (سوم) کو مسلم لیگ کا صدر اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کو مشترکہ طور پر جوائنٹ سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ مسلمان راہنماؤں کی کوششوں سے کچھ ہی عرصہ میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت کے طور پر اُبھری اور قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد اس کی مقبولیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔

ابتدائی دور میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کو انگریز حکومت سے وفاداری اور تعاون کی تلقین کی مگر جب 1911ء میں برطانوی حکومت نے مسلمانوں کی خواہشات کے برعکس تقسیمِ بنگال کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا تو مسلم لیگ نے بھی 1913ء میں اپنے مقاصد میں ترمیم کی اور اپنے مقاصد میں مندرجہ ذیل نکات کا اضافہ کیا:-

1۔ حکومت خود اختیاری کے ایک ایسے نظام کے حصول کے لیے کوشش کی جائے جو ہندوستان کے لیے موزوں ہو۔
2۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کی دوسری قومیتوں اور سیاسی تنظیموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات، تعاون اور اشتراکِ عمل کو فروغ دیا جائے۔

مسلم لیگ کے مقاصد میں اس تبدیلی کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان تعاون کا ایک مختصر دور شروع ہوا جس کا نتیجہ 1916ء میں میثاقِ لکھنؤ کی صورت میں نکلا۔

اگرچہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ماضی میں کی گئی تمام کوششیں ناکام ہو گئی تھیں مگر 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہوا جس کے نتیجے میں اگلے پانچ سال تک ہندو مسلم اتحاد کا ایک عارضی مگر اہم دور جاری رہا۔ اس معاہدے کو میثاق لکھنؤ کا نام دیا گیا اور اس کو ممکن بنانے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ معاہدہ دراصل ہندوستان میں مستقبل کے آئینی ڈھانچے کے متعلق دونوں جماعتوں کی طرف سے پیش کردہ متفقہ تجاویز پر مبنی تھا۔

میثاقِ لکھنؤ سے مسلمانوں کو اس وقت ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی جب کانگریس نے اس معاہدے میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ طرزِ انتخاب کا اُصول (Right of Separate Electorates) بغیر کسی شرط کے تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں یعنی (Weightage) دی گئی۔ ہندو مسلم اتحاد تحریکِ خلافت کے اختتام تک جاری رہا۔

تحریکِ خلافت

1914ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی جس میں ترکی نے برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ ترکی کی حکومت کے اس فیصلے نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک انتہائی مشکل صورتحال سے دوچار کر دیا تھا۔ ترکی اُس وقت سلطنتِ عثمانیہ کہلاتا تھا اور ترکی کے سلطان دُنیا بھر کے مسلمانوں کے خلیفہ بھی تسلیم کیے جاتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بھی خلافت کا مسند انتہائی قابلِ احترام اور مقدس حیثیت کا حامل تھا۔ وہ ترکی کے سلطان کو اپنا سیاسی اور مذہبی رہنما مانتے تھے۔ دوسری طرف وہ برطانوی حکومت کی رعایا اور انگریزوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے۔ مسلمانوں کی اس مشکل کو محسوس کرتے ہوئے حکومتِ برطانیہ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ جنگ کرنے کا فیصلہ برطانیہ نے نہیں بلکہ ترکی نے خود کیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ جنگ میں کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات کا تحفظ کیا جائے گا اور سلطنتِ عثمانیہ کی علاقائی سالمیت کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ انھوں نے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ خلافت کا ادارہ برقرار رکھا جائے گا۔

اس یقین دہانی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے جنگ میں برطانوی حکومت کا بھرپور ساتھ دیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر انگریزوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔ برطانیہ کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی۔ جنگ کے اختتام پر برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں کا لحاظ نہیں کیا اور سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کر کے برطانیہ کے اتحادیوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس وعدہ خلافی کا بہت دُکھ ہوا۔ اُنھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے تحفظ اور خلیفہ کے اختیارات اور احترام کو بحال کرانے کے لیے ایک تحریک شروع کی جسے "تحریکِ خلافت" کہا جاتا ہے۔

22 ستمبر 1919ء کو آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی اور 23 نومبر 1919ء کو دہلی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مولوی فضل الحق نے کی۔ اس موقع پر گاندھی کی قیادت میں کانگریس نے بھی خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنوری 1920ء میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی اور خلافت کے مسئلے پر اپنے مطالبات سے آگاہ کیا۔ مارچ 1920ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد نے خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ کو ہموار کرنے

کے لیے یورپ کا دورہ کیا اور برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ لائیڈ جارج سے بھی ملاقات کی مگر بدقسمتی سے ان دونوں وفود کی ملاقاتوں کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا۔

تحریکِ خلافت کے دوران گاندھی اور کانگریس نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور گاندھی نے تحریکِ عدم تعاون شروع کی۔ گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر نے سارے ہندوستان کا دورہ کر کے لوگوں کو تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون میں حصہ لینے کی تلقین کی۔ لوگوں نے ان کی اپیلوں کا مثبت جواب دیا۔ بڑی تعداد میں ہندوستانیوں نے اپنے خطابات حکومتِ برطانیہ کو واپس کر دیے۔ برطانوی حکومت کی طرف سے منائے جانے والے جشنِ فتح کا بائیکاٹ کیا گیا۔ وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور انگریز عدالتوں سے مقدمات واپس لے لیے گئے۔ طلبہ نے سکولوں اور کالجوں میں کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ برطانیہ کی صنعتی اشیاء خصوصاً برطانوی کپڑے کا استعمال ترک کر دیا گیا۔

تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون زور و شور سے جاری تھیں کہ یو پی کے ایک قصبے چوری چورا میں تحریکِ عدم تعاون کے رضا کاروں نے پولیس کے ملازمین کو تھانے میں بند کر کے آگ لگا دی۔ گاندھی نے اس واقعے کے بعد اعلان کیا کہ چونکہ عدم تعاون کی تحریک عدم تشدد پر قائم نہیں رہی اس لیے وہ اس کو ختم کر رہے ہیں تحریک عدم تعاون کے خاتمے کے بعد تحریک خلافت کچھ عرصہ تک جاری رہی مگر اس کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا تھا۔

اس دوران ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی قیادت میں ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا جس کے بعد تحریکِ خلافت کو جاری رکھنے کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ تحریکِ خلافت بظاہر کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی مگر اس سے مسلمانوں کو دو فائدے ہوئے۔ ایک تو مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر عوامی تحریک کو منظم کرنے کا تجربہ حاصل ہوا اور دوسرے اس تحریک نے ایسے لیڈر پیدا کیے جنھوں نے بعد میں تحریکِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

قراردادِ لاہور: مارچ 1940ء

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت فروری اور مارچ 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کیے گئے۔ ان انتخابات میں دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ نے بھرپور

حصہ لیا۔ان انتخابات میں مسلم لیگ کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی۔کانگریس نے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ ہندو اکثریتی صوبوں میں واضح اکثریت حاصل کی اوراپنی وزارتیں بنائیں۔ان تمام صوبوں میں مسلم لیگ کووزارتوں میں کوئی حصہ نہیں دیا۔اقتدار میں آتے ہی کانگریس نے مسلمان مخالف پالیسیوں پر عمل درآمد شروع کردیا اور مسلمانوں کوان ہندو اکثریتی صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ستمبر1939ء میں دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوا۔کانگریس نے جنگ کے دوران برطانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور برطانوی حکومت کو چند مطالبات پیش کیے جن کے مسترد ہونے پر کانگریسی وزارتوں نے اکتوبر1939ء میں استعفیٰ دے دیا۔قائداعظم نے مسلمانوں سے22دسمبر1939ء کا دن ''یوم نجات'' کے طور پر منانے کی اپیل کی۔

صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے دور میں مسلمانوں کوانتہائی تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔اُن کو یہ احساس ہوا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کے ہاتھوں اُن کو اس سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ان تجربات کی روشنی میں مسلمانوں نے متحدہ ہندوستان میں اپنے حقوق کے تحفظ کی بجائے ایک الگ اور مکمل طور پر آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ شروع کردیا۔

مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم اورایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہا۔لیکن باقاعدہ طور پر یہ مطالبہ پہلی دفعہ مارچ1940ء میں لاہور میں منعقدہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ایک قرارداد کی شکل میں کیا گیا جسے قراردادِلاہور کا نام دیا گیا۔

مسلم لیگ کا یہ تاریخی سالانہ اجلاس22مارچ1940ء کو لاہور میں شروع ہوا۔اجلاس کے پہلے دن قائداعظم نے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کا مسئلہ فرقہ وارانہ نوعیت کا نہیں بلکہ بین الاقوامی نوعیت کا ہے۔جب تک اس بنیادی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا یہاں کوئی بھی دستوری ڈھانچہ قابلِ عمل نہیں ہوگا۔قائدِاعظم نے فرمایا ''مسلمان لفظ قوم کی ہر تشریح پر پورا اُترتے ہیں اوراُن کا حق ہے کہ ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اوراپنی ریاست ہو''۔

اجلاس کے دوسرے دن یعنی 23مارچ 1940ء کو بنگال کے وزیرِاعلیٰ مولوی فضل الحق نے وہ

مشہور قرارداد پیش کی جسے قراردادِلاہور کا نام دیا گیا۔

قرارداد کا متن

''مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں وہی دستور قابلِ عمل ہوسکتا ہے اور صرف اُسی دستور کو مسلمان قبول کریں گے جس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر رکھی گئی ہو کہ جغرافیائی لحاظ سے باہم متصل علاقوں کی ایسے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے اور ضروری علاقائی ردوبدل کے ساتھ اُن کی ایسی تشکیل کی جائے کہ جن علاقوں میں مسلمان عددی لحاظ سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصوں میں، اُن کو یکجا کیا جائے تاکہ وہ آزاد ریاستیں بن سکیں۔ان ریاستوں میں شامل اکائیاں (صوبے) خودمختار اور مقتدرِاعلیٰ ہوں گی۔''

قراردادِلاہور23مارچ کو پیش کی گئی اور24مارچ کو اس کی منظوری دی گئی۔اس قرارداد کو ہندو اخبارات نے ''قراردادِ پاکستان'' کے نام سے شائع کیا حالانکہ قرارداد کے متن میں کہیں بھی لفظ پاکستان استعمال نہیں کیا گیا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک عام ہندوستانی مسلمان کو اس قرارداد کا مقصد سمجھانے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔اگر ہندو پریس اس کو قراردادِ پاکستان کا نام نہ دیتی تو مسلمان راہنماؤں کو مسلمانوں کو اس کا مقصد اوراہمیت سمجھانے میں کافی محنت درکار ہوتی۔

کرپس مشن:1942ء

دوسری جنگِ عظیم کے دوران حکومتِ برطانیہ کو اپنی جنگی ضروریات کے پیشِ نظر ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی سیاسی جماعتوں کے تعاون کی سخت ضرورت تھی۔اس ضرورت کے تحت برطانوی حکومت نے سرسٹیفورڈ کرپس (Sir Stafford Cripps) کو چندئی دستوری تجاویز کے ساتھ23مارچ 1942ء کو ہندوستان بھیجا۔کرپس مشن کا ایک اہم مقصد ہندوستان کے عوام اور سیاسی جماعتوں کی خوشنودی حاصل کرکے انھیں جنگی کوششوں میں برطانوی حکومت کی مدد پر آمادہ کرنا تھا۔سرسٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آمد کے بعد یہاں کے سیاسی راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور30مارچ کو کرپس نے

اپنی تجاویز کا مسودہ شائع کیا۔ ان تجاویز میں کہا گیا تھا کہ:-

1۔ جنگ کے خاتمے پر ہندوستانی نمائندوں پر مشتمل ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے گی جو ہندوستان کا آئین مرتب کرے گی۔

2۔ اس اسمبلی کے ممبران کا چناؤ صوبائی اسمبلی کے ممبران کریں گے اور اس میں دیسی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی جائے گی۔

3۔ تجاویز میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے پر دستور ساز اسمبلی کا بنایا ہوا آئین نافذ کر دیا جائے گا اور ہندوستان کو نوآبادیات (Dominion Status) کا درجہ دے دیا جائے گا۔

4۔ تجاویز میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ ایک یا ایک سے زیادہ صوبے اگر نئے آئین کے تحت وفاق میں شامل نہ ہونا چاہیں تو انھیں اپنی علیحدہ حیثیت برقرار رکھنے اور وفاق سے باہر رہنے کا حق حاصل ہوگا۔

کرپس تجاویز میں کہا گیا تھا کہ دورانِ جنگ کسی قسم کی آئینی پیش رفت نہیں کی جائے گی اور ہندوستان کے دفاعی امور سے متعلق تمام ذمہ داریاں بدستور حکومتِ برطانیہ کے پاس رہیں گی۔

کانگریس نے کرپس تجاویز کو مسترد کر دیا کیونکہ ان تجاویز میں ہندوستان میں فوری طور پر ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ کانگریس نے صوبوں کو یہ حق دینے پر بھی اعتراض کیا کہ اگر وہ چاہیں تو وفاق میں شامل نہ ہوں اور اپنی الگ حیثیت برقرار رکھیں کیونکہ اس طرح پاکستان بنانے کی راہ ہموار ہوگی۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے ان تجاویز کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ ان میں واضح طور پر پاکستان کے قیام کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ اس طرح برطانوی حکومت کی یہ کوشش ناکام ہوئی اور کرپس نے برطانیہ واپس جا کر مشن کی ناکامی کا اعلان کیا۔

شملہ کانفرنس: (1945ء)

کرپس تجاویز کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے قائداعظم اور گاندھی جی کے درمیان ملاقاتوں اور خطوط کے تبادلے کا ایک سلسلہ شروع ہوا جسے گاندھی جناح مذاکرات کے نام سے

یاد کیا جاتا ہے۔ ان مذاکرات کا بھی کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ اس کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں جون 1945ء میں شملہ کے مقام پر ہندوستان کے سیاسی راہنماؤں کی ایک کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے پانچ مسلم اراکین پر مشتمل ایک وفد شامل کرنے کی تجویز تھی لیکن کانگریس کا اصرار تھا کہ وہ ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور یہ کہ وہ مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں پر بھی نمائندے نامزد کرے گی مگر قائداعظم نے واضح کر دیا کہ پانچوں مسلم ارکان کو صرف مسلم لیگ نامزد کر سکتی ہے کیونکہ وہی مسلمانوں کی واحد جماعت ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب سے یونینسٹ پارٹی مسلم نشستوں پر اپنا ایک نمائندہ مقرر کرنا چاہتی تھی جب کہ مسلم لیگ کو یہ منظور نہ تھا۔ شملہ کانفرنس میں یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ آیا مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے یا نہیں تاہم یہ کانفرنس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

46-1945ء کے انتخابات

دوسری جنگِ عظیم کے اختتام کے فوراً بعد وائسرائے لارڈ ویول نے ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے لیے انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے تحت دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی اور فروری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے ان انتخابات میں قیامِ پاکستان کے نعرے کی بنیاد پر حصہ لیا اور 1937ء کے انتخابات کے بالکل برعکس ان انتخابات میں واضح اور بے مثال کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ نے مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے مخصوص ساری نشستیں جیت لیں جبکہ صوبائی اسمبلیوں میں مسلمان نشستوں کی واضح اکثریت پر کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کا مطلب ہندوستان کے مسلمانوں کا مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان پر بھرپور اعتماد کا اظہار تھا۔

کابینہ مشن 1946ء

ہندوستان کے آئینی مسئلے کا حل ڈھونڈنے کے لیے حکومت برطانیہ نے 1946ء میں برطانوی کابینہ کے تین اراکین پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا۔ یہ وفد 24 مارچ 1946ء کو دہلی پہنچا۔ وفد نے کوشش کی کہ ہندوستان کے آئینی مسئلے کا کوئی متفقہ حل نکالا جا سکے مگر ہندوستانی راہنماؤں کے درمیان وسیع

1946ء میں شملہ کے مقام پر کانگریس اور مسلم لیگ کے راہنماؤں کی کانفرنس بلائی جو بے نتیجہ رہی اور 12 مئی کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کردیا گیا۔ ... اختلافات کی وجہ سے کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اس کے بعد کابینہ مشن کے ارکان نے مئی

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کابینہ مشن نے 16 مئی 1946ء کو اپنی تجاویز پیش کیں جن میں کہا گیا تھا کہ:-

1۔ برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں پر مشتمل ایک کل ہند یونین قائم کی جائے گی۔
2۔ اس یونین کا آئین بنانے کے لیے صوبوں کو تین لازمی گروپوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جس میں ایک گروپ میں ہندو اکثریتی صوبے اور باقی دو گروپوں میں مسلمان اکثریتی صوبے شامل ہونگے۔
3۔ ہر گروپ میں شامل صوبوں کے منتخب نمائندے اپنے اپنے صوبوں اور گروپ کے لیے آئین بنائیں گے اور اس کے بعد تینوں گروپوں کے اراکین اور شاہی ریاستوں کی طرف سے نامزد کردہ نمائندوں کا مشترکہ اجلاس ہوگا جس میں یونین کا آئین بنایا جائے گا۔
4۔ ہر صوبے کو یہ اختیار ہوگا کہ مجوزہ آئین کے نفاذ سے دس سال بعد اپنی مجلس قانون ساز کے اکثریتی فیصلے کی بنا پر اپنے گروپ سے علیحدگی اختیار کرکے الگ حیثیت میں رہے یا کسی دوسرے گروپ میں شامل ہو جائے۔
5۔ مجوزہ دستور کی تیاری اور نفاذ تک مرکز میں تمام بڑی سیاسی جماعتوں پر مشتمل عبوری حکومت قائم کی جائے گی۔

اگرچہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے کابینہ مشن کی تجاویز کو اصولی طور پر منظور کرلیا تھا مگر بعد میں ان تجاویز کی کانگریس نے ایسے انداز میں تشریح کی جو مسلم لیگ کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ کانگریس نے عبوری حکومت سے متعلق تجویز کو بھی مسترد کردیا اور اس کے بعد اُصولی طور پر وائسرائے کو مسلم لیگ کے نمائندوں پر مشتمل عبوری حکومت بنانی چاہیے تھی مگر انھوں نے ایسا کرنے کے بجائے عبوری حکومت کے قیام کو مؤخر کردیا۔ بعد میں کانگریس نے عبوری حکومت میں شامل ہونے پر آمادگی ظاہر کی اور 12 اگست 1946ء کو وائسرائے نے پنڈت جواہر لال نہرو کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسلم لیگ نے اس پر

سخت احتجاج کیا اور کابینہ مشن کے منصوبے کی منظوری کا فیصلہ واپس لینے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے 16 اگست 1946ء کو "راست اقدام کے دن" کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔

اگرچہ کچھ عرصہ بعد وائسرائے نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے پر راضی کرلیا مگر کانگریس کے حکومتی اراکین نے کبھی بھی دل سے حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کو تسلیم نہیں کیا اور بالآخر کانگریس نے وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ یا تو مسلم لیگ کو حکومت سے علیحدہ کردیا جائے یا پھر کانگریس کے اراکین مستعفی ہو جائیں گے۔

تقسیمِ ہند کا منصوبہ (3 جون کا منصوبہ)

1946ء میں برطانیہ میں عام انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی اور کلیمنٹ ایٹلی (Clement Attlee) برطانیہ کا وزیراعظم بنا۔ 20 فروری 1947ء کو ایٹلی نے برطانوی دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ ہر حال میں جون 1948ء سے پہلے اقتدار ہندوستان کے ذمہ دار نمائندوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ اسی تقریر میں اُس نے یہ اعلان بھی کیا کہ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے ہوں گے جن کے ذمے یہ کام ہوگا کہ وہ ہندوستان کی حکومتی ذمہ داریاں ہندوستانی نمائندوں کے سپرد کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن 22 مارچ 1947ء کو ہندوستان پہنچا۔ شروع میں اُس نے کوشش کی کہ وزارتی مشن (کابینہ مشن) کے منصوبے کی بنیاد پر ہندوستان کے آئینی مسئلے کا حل نکال کر ہندوستان کو متحد رکھا جا سکے۔ مگر ہندوستانی راہنماؤں سے ملاقاتوں کے بعد اُن کو یقین ہوگیا کہ ہندوستان کو متحد رکھنا ناممکن ہے۔ لہٰذا اُس نے ہندوستان کی تقسیم کے لیے ایک منصوبہ تیار کرکے اسے حکومتِ برطانیہ سے منظور کرالیا۔ اس منصوبے کو منظرِ عام پر لانے سے پہلے اُس نے جواہر لال نہرو کو دکھایا۔ نہرو نے منصوبے کو ناقابلِ قبول قرار دے دیا۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ہندو مشیر وی۔ پی۔ مینن کو ایک متبادل منصوبہ تیار کرنے کو کہا اور اسے منظور کروانے کے لیے خود لندن لے گیا۔ حکومت برطانیہ سے منصوبے کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن 31 مئی کو واپس ہندوستان پہنچا اور 2 جون کو یہ منصوبہ سات سرکردہ ہندوستانی راہنماؤں کے سامنے رکھا جن میں قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر،

جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، اچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ شامل تھے۔ ان راہنماؤں کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد 3 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے تقسیمِ ہند کے اس منصوبے کا اعلان کیا جس کی وجہ سے اسے "3 جون کا منصوبہ" کہتے ہیں۔

3 جون کے منصوبے کے تحت متحدہ ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں، پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کیا جانا تھا اور اس غرض سے مسلمان اکثریتی صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دونوں ریاستوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار وضع کیا گیا تھا:-

1۔ پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلیاں اپنے اجلاسوں میں یہ فیصلہ کریں گی کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتی ہیں یا پاکستان میں۔ اگر ان کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوتا ہے تو اس صورت میں دونوں صوبائی اسمبلیوں میں شامل مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کے نمائندے اپنے الگ الگ اجلاسوں میں یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا صوبے کو تقسیم کر دیا جائے یا نہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک حصہ بھی سادہ اکثریت کی بنیاد پر تقسیم کے حق میں فیصلہ دے تو صوبے کو مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع میں تقسیم کر دیا جائے۔

2۔ اگر بنگال کی اسمبلی صوبے کو تقسیم کرنے کے حق میں فیصلہ کرے تو آسام کے مسلم اکثریتی علاقے سلہٹ میں استصوابِ رائے (ریفرنڈم) کرایا جائے جس میں وہاں کے لوگ فیصلہ کریں گے کہ وہ آسام کا حصہ رہنا چاہتے ہیں یا پھر مشرقی بنگال کے مسلمان اکثریتی صوبے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

3۔ سندھ کی صوبائی اسمبلی کے اراکین یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی (یعنی بھارت) کا حصہ بننا چاہتے ہیں یا نئی دستور ساز اسمبلی یعنی پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

4۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں استصوابِ رائے کے ذریعے وہاں کے عوام فیصلہ کریں گے کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔

5۔ بلوچستان میں شاہی جرگہ کے ارکان اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری اراکین کو یہ حق دیا

جائے گا کہ وہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔

6۔ پنجاب اور بنگال میں تقسیم کے حق میں فیصلہ ہونے کی صورت میں دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن مقرر کیے جائیں گے تاکہ مسلم اور غیر مسلم اکثریتی ضلعوں کے درمیان سرحدوں کا تعین کریں۔

7۔ شاہی ریاستوں کے حکمران اپنی رعایا کی مرضی اور جغرافیائی حالات کو مدِ نظر رکھ کر پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کریں گے۔

3 جون کے منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا مطالبہ حتمی طور پر منظور کر لیا گیا تھا۔ طریقہ کار کے مطابق پنجاب اور بنگال میں صوبوں کی تقسیم کے حق میں فیصلہ ہوا اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کے علاقے پاکستان کا حصہ بنے۔ سندھ کی اسمبلی نے اکثریتی ووٹ کے ذریعے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں عوام نے ریفرنڈم میں پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں ووٹ دیا۔ بلوچستان میں بھی وضع کردہ طریقہ کار کے مطابق فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوا۔

اس دوران برطانوی پارلیمنٹ نے آزادیٔ ہند کا قانون 1947ء منظور کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اقتدار دو آزاد ریاستوں ہندوستان اور پاکستان کو منتقل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ پاکستان ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد، مسلمانوں کی بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ 15 اگست کو قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔

مشق

1. خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

i. جنگ آزادی کو انگریز مؤرخین نے ________ کا نام دیا۔

ii. مسلم لیگ کے قیام کی تجویز ________ نے پیش کی تھی۔

iii. قطب الدین ایبک نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اُسے ________ کہا جاتا ہے۔

iv. شملہ وفد نے 1906ء میں وائسرائے ________ سے ملاقات کی۔

v. مسلمانوں نے 22 دسمبر 1939ء کا دن ________ کے طور پر منایا۔

vi. کابینہ مشن برطانوی پارلیمنٹ کے ________ اراکین پر مشتمل تھا۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

i. سرسید احمد خان نے انگلستان کا دورہ کس سال میں کیا؟

(1863ء، 1869ء، 1875ء، 1886ء)

ii. مسلم لیگ نے اپنے مقاصد میں کس سال ترمیم کی؟

(1906ء، 1911ء، 1913ء، 1916ء)

iii. مسلمانوں کے ایک وفد نے کس سال میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملاقات کی؟

(1905ء، 1906ء، 1911ء، 1916ء)

iv. 1911ء میں کون سا اہم واقعہ پیش آیا؟

(میثاق لکھنؤ، تقسیم بنگال، مسلم لیگ کا قیام، تنسیخ تقسیم بنگال)

v. 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کیا؟

(لارڈ منٹو نے، ماونٹ بیٹن نے، قائداعظم نے، نہرو نے)

vi. انڈین نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا؟

(گاندھی، نہرو، دادا بھائی نوروجی، اے او ہیوم)

3. مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. علی گڑھ کالج میں دینیات (علوم اسلامیہ) کی تعلیم سب کے لیے لازمی تھی۔

ii. محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے۔

iii. مسلم لیگ کے پہلے صدر قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

iv. پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے حصہ نہیں لیا۔

v. قراردادِ پاکستان کے متن میں لفظ ''پاکستان'' کا استعمال نہیں ہوا۔

vi. تقسیم ہند کا منصوبہ 3 جون 1947ء کو پیش کیا گیا۔

4. مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

i. شمالی ہندوستان میں مسلمان حکومت کی بنیاد کب اور کس نے رکھی؟

ii. سرسید احمد خان کی نظر میں مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل کیا تھا؟

iii. مغربی طرزِ جمہوریت متحدہ ہندوستان میں قابلِ عمل کیوں نہیں تھی؟

iv. شملہ وفد (1906ء) کے تین بنیادی مطالبات تحریر کریں۔

v. کانگریس اور مسلم لیگ نے کرپس مشن کی تجاویز کو کیوں مسترد کیا تھا؟

5. کالم ''الف'' میں دی گئی تاریخوں میں سے صحیح تاریخ کالم ''ب'' میں دیے گئے واقعات کے آگے کالم ''ج'' میں لکھیں۔

الف	ب	ج
1877ء	کابینہ مشن	
1905ء	کرپس مشن	
1916ء	تقسیم بنگال	